حکمتِ اقبال (۵۲)

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم

خودی اور سوشلزم (۴)

تعلیمِ نبوت کے ایک ورق کی چوری

تاہم نوعِ انسانی کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی یہ دعوت کہ اپنی عملی زندگی کو خدا کی عبادت کے لیے وقف کرو انسان کی فطرت کے ساتھ عین مطابقت رکھتی ہے کیونکہ انسان کی ساری حقیقت خدا کی محبت کے ایک زور دار جذبہ کے سوائے اور کچھ نہیں۔ لہٰذا یہ دعوت جسے مذہب کہا جاتا ہے ایک افیون نہیں، بلکہ ایک روشنی ہے جس کے بغیر انسان اپنا راستہ نہیں دیکھ سکتا۔ سوشلزم نے اسی روشنی کی ایک کرن سے کام لے کر اپنے انقلاب کو کامیاب کیا ہے اور اپنے گھر کو سجایا ہے کیونکہ سوشلزم کا دعویٰ ہے کہ وہ زندگی کے معاشی حالات میں عدل اور انصاف اور دیانتداری کے اصولوں کو نافذ کرتا ہے اور عدل اور انصاف اور دیانتداری ایسی اقدار ہیں جن کی تعلیم سب سے پہلے نبوت نے دی تھی، اس لیے کہ یہ اقدار خدا کی صفات سے ماخوذ ہیں اور ان کی محبت یا خواہش خدا کی محبت کا ایک جزو ہے۔ نبوت نے ہی سب سے پہلے کہا تھا کہ خدا سے محبّت کرو اور خدا کی رضامندی کی جستجو کرو اور خدا کو خوش کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ عدل وانصاف سے کام لو کسی کا مال ناحق نہ کھاؤ، لوٹ کھسوٹ اور چوری اور بددیانتی سے مجتنب رہو۔ اگر نبوّت کی یہ تعلیم عام نہ ہو چکی ہوتی تو سوشلزم کبھی یہ معلوم نہ کر سکتا کہ ظلم کیا چیز ہے اور کہاں ہو رہا ہے، سرمایہ دار کیا بددیانتی کر رہا ہے اور مزدور کے ساتھ کیا بے انصافی ہو رہی ہے۔ اگر سوشلزم عدل وانصاف کا نعرہ لگاتا تو ناممکن تھا کہ کوئی انسان اس کی آواز سنتا اور اس کے انقلاب کو ذرہ بھر کامیابی نصیب ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی خودی جو فقط خدا اور خدا کی صفات کی محبت کا ایک جذبہ ہے فقط خدا اور خدا کی صفات کی جستجو کے لیے حرکت میں آکر کوئی عمل کر سکتی ہے ورنہ کوئی عمل نہیں کر سکتی۔ تاریخ کا ہر انقلاب

جو کامیاب ہوا ہے اُس کے پیچھے خدا کی کسی صفت کے اظہار اور اجرا کی دعوت تھی۔ اگر فرانسیسی انقلاب خدا کی صفتِ عدل کے مطابق سیاسی حالات کو بدلنے کی دعوت تھی تو روسی انقلاب خدا کی اسی صفت کے مطابق معاشی حالات کو بدلنے کی دعوت تھی۔ اس طرح سوشلزم نے خدا کی محبت کے اس جذبہ کو اپنے قدرتی ماحول سے الگ کر کے ناجائز طور پر استعمال کرنے کا اقدام کیا ہے جس سے انسان کی خودی عبارت ہے۔ اُس نے گویا کتابِ نبوت کا ایک ورق چرانے کی کوشش کی ہے لیکن کتابِ نبوت کا کوئی ورق چرایا نہیں جا سکتا۔ سوشلزم مجبور ہو گا کہ یا تو نبوت کی پوری کتاب کو لے لے اور یا پھر اس ورق کو بھی واپس کرے جو اُس نے چرایا ہے۔ ہم خدا کی صفات میں سے کسی ایک صفت کو لے کر اسے انسانی زندگی کے اندر کامیابی کے ساتھ مؤثر اور فعال نہیں بنا سکتے، جب تک کہ ہم خدا کی باقی صفات کو بھی ساتھ نہ رکھیں اور انہیں بھی مؤثر اور فعال بنانے کی کوشش نہ کریں۔ انسانی خودی یا خدا کی محبت کا انسانی جذبہ ایک وحدت ہے جس کا کوئی ٹکڑا اس سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ حق کو حق سے الگ کیا جائے تو وہ باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ پھر اُس کی کمی کو باطل سے پورا کرنا پڑتا ہے اور حق اور باطل کی شرکت باطل ہو جاتی ہے۔

باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

اسی لیے مسلمانوں کو کہا گیا ہے کہ اسلام میں پوری طرح سے داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ کہ تم اپنی مرضی کی کچھ باتیں تو اسلام سے لے لو اور کچھ کفر سے۔ ایسی حالت میں تمہارا اسلام بھی کفر ہی بن کر رہ جائے گا۔ (یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً - البقرہ: ۲۰۸) یہودیوں کے خلاف خدا کو ایک شکایت یہ ہے کہ وہ حق کے ساتھ باطل کی آمیزش کرتے ہیں اور اس طرح سے حق کو بھی باطل بنا دیتے ہیں۔ (لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ - آل عمران: ۷۱)

غیر خدا کی محبت کے ساتھ خدا کی صفات کا اظہار ممکن نہیں

ممکن نہیں کہ انسان خدا کی پوری محبت کے بغیر خدا کی کوئی صفت اپنے عمل میں پوری طرح سے آشکار کر کے دکھا سکے۔ ہو نہیں سکتا کہ کسی شخص کا محبوب اور معبود تو خدا کے سوا کوئی اور ہو اور اس کا عمل

خدا کی کسی صفت کا آئینہ دار ہو جائے۔ اس کا وہ باطل اور پست اور ذلیل معبود اُس صفت کے اظہار میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرے گا اور ہر حالت میں اپنی پستی اور کمینگی کا رنگ اُس پر چڑھائے گا اور ایسا کرنے سے اُسے باطل بنا دے گا اور جب اُس کا عمل باطل ہو جائے گا تو سارے باطل کی راہ سے فنا کے گھاٹ اُتر جائے گا۔ اسی لیے سوشلزم ایک ناپائدار اور عارضی نظریۂ حیات ہے جس کے خلاف زود یا بدیر انسان کی فطرت ردعمل کرے گی۔

اسلام کا اقتصادی نظام خدا کی محبّت میں ڈوبا ہوا ہے

بعض مُسلمان اسلام کے اقتصادی نظام کا سوشلزم کے اقتصادی نظام سے مقابلہ کر کے یہ دکھاتے ہیں کہ اسلام کا اقتصادی نظام سوشلزم سے بہتر ہے۔ سوال یہ نہیں کہ ایک اقتصادی نظام کی حیثیت سے اسلام ہے یا سوشلزم۔ سوال یہ ہے کہ آیا سوشلزم' اسلام کے بغیر وہ اقتصادی مساوات جسے برپا کرنے کا وہ دعویٰ کرتا ہے' قائم رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب نفی میں ہے اور سوشلزم کی سطحی اور عارضی کامیابی اس جواب کو تادیر پردۂ خفا میں نہیں رکھ سکتی۔ آخر کار وہی نظریۂ حیات دنیا میں کامیاب ہو گا جو پوری طرح سے انسان کی فطرت کے مطابق ہو گا اور انسان کی سب سے بڑی' اصلی اور بنیادی ضرورت خدا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے اقتصادی قوانین بظاہر اقتصادی ہیں لیکن حقیقت میں روحانی ہیں' کیونکہ اُن کا مدعا انسان کی خودی کی تربیت ہے۔ لہٰذا تھوڑی بہت ظاہری مماثلت کے باوجود وہ سوشلزم کے اقتصادی قوانین سے بالکل مختلف ہیں اور اُن کا باہمی مقابلہ بے معنی ہے۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

اسلام کا اقتصادی نظام خدا کی محبّت سے سرزد ہوتا ہے اور خدا کی محبّت کی نشوونما کرتا ہے۔ وہ خدا کی محبت سے نکلا ہے اور خدا کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ اگر اُسے خدا کی محبت سے الگ کر دیں تو اُس کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا سوشلزم ایسے ایک بے خدا اقتصادی نظام سے' جو ایک "بت کدۂ تصورات" اور بے جان قوانین کا ایک ڈھانچہ ہے' اس کا کوئی مقابلہ ممکن نہیں۔

حرکتِ تاریخ کی منزل اسلام ہے

سوشلزم کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ اُس نے حرکتِ تاریخ اور اُس کے مدّعا اور مقصد کو سمجھ لیا ہے۔ انسان کے اعمال کی قوتِ محرکہ عملِ تاریخ کی قوتِ محرکہ بھی ہے اور وہ قوت فقط خدا کی محبت کا جذبہ ہے۔ ناممکن ہے کہ انسان کوئی عمل ایسا کر سکے جو خدا کی محبت کی تکمیل اور تشفی کے لیے نہ ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان کا خدا کبھی سچا خدا ہوتا ہے اور کبھی کوئی بُت لیکن اس جذبہ کی کارفرمائی سے جو جو غلط نظریات پیدا ہوتے جائیں گے وہ مٹتے جائیں گے اور بالآخر دنیا بھر میں ایک ایسا نظام زندگی قائم ہوگا جو خدا کے عقیدہ پر مبنی ہوگا۔ یہی نظام رحمۃ للعالمین کا عطا کیا ہوا اسلام ہے اور یہی حرکتِ تاریخ کا مقصود اور مدّعا ہے۔ کاش کہ اپنے آپ کو "پراگریسو" (ترقی پسند) کہنے والے حضرات فطرتِ انسانی اور تاریخ انسانی کے ٹھوس حقائق کی روشنی میں اس بات پر غور کریں کہ نوعِ انسانی کی "پراگریس" یا ترقی کس سمت ہو رہی ہے اور اس کی منزل کیا ہے۔

بے بنیاد دعویٰ

سوشلزم کے بعض حامی سوشلزم کی تائید میں یہ دلیل لایا کرتے ہیں کہ جسم کی ضرورتوں کو پورا کرنا بقائے حیات کے لیے ضروری ہے' لہٰذا جب تک ان کو پورا نہ کیا جائے خودی کی ضرورتیں پوری نہیں کی جا سکتیں' کیونکہ انسان زندہ رہے گا تو اُن کو پورا کرے گا۔ یہ بات درست ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم جسم کی ضرورتوں کو خود ہی کچھ مقاصد کے ذریعہ کے طور پر اور اس ذریعہ کی حد تک پورا کرنا چاہتے ہیں تاکہ انسان زندہ رہے اور خدا کی عبادت اور اطاعت کرتا رہے یا ہم ان کو ایک ذریعہ کے طور پر نہیں بلکہ خود ایک مقصودِ حیات کے طور پر پورا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ دوسری بات درست ہے تو پھر یہ سوشلزم کا مقصودِ حیات ہے' اسلام کا نہیں۔ اور اگر پہلی بات درست ہے تو کیا ہم نے اطمینان کر لیا ہے کہ لوگ واقعی ہم اسے ایک ذریعہ سمجھیں گے؟ کیا اسلام اور اُس کے عزائم اور مقاصد کی صداقت اور اہمیت کا پختہ یقین درحقیقت لوگوں کے دلوں میں موجود ہے؟ کیا واقعی لوگ خودی کی ضرورتوں کو اس وقت اوّل درجہ کی اہمیت کا مقام دیتے ہیں اور پیش پیش رکھتے ہیں اور بعد میں بھی اوّل درجہ کا مقام دینے اور پیش پیش رکھنے کا عزم رکھتے ہیں؟ کیا

لوگ فی الواقع خودی کی ضرورتوں کی تکمیل اور تشفی کے کام میں اس قدر ذوق وشوق اور سرور وانہماک رکھتے ہیں کہ یہ یقین کیا جا سکے کہ وہ جسم کی ضرورتوں کو خودی کی ضرورتوں کے ماتحت ضمناً اور مجبوراً اور بقدر کفایتِ ضرورت پورا کرنا چاہتے ہیں ؟ اگر یہ صورت حال موجود نہیں تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ جب تک جسم کی ضرورتوں کو پورا نہ کیا جائے خودی کی ضرورتیں پوری نہیں کی جا سکتیں۔ پھر تو یہ ظاہر ہے کہ جسم کی ضرورتوں کے ذکر کے پیچھے درحقیقت خدا پرستی کا نہیں بلکہ جسم پرستی کا کوئی جذبہ کام کر رہا ہے۔ اس صورت میں ہمیں سب سے پہلے لوگوں میں تعلیم کے ذریعہ سے اسلام کی صداقت اور خودی کی ضرورتوں کی اوّل درجہ کی اہمیت کا پختہ یقین پیدا کرنا چاہیے۔ ورنہ جسم کی ضرورتیں لوگوں کے نزدیک درجہ اوّل کی اہمیت حاصل کر لیں گی اور وہ "ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" کا مصداق بن کر رہ جائیں گی اور اسلام کے تقاضوں اور خودی کی ضرورتوں کا نام برائے نام اُن کی زبانوں پر رہ جائے گا۔

عبرت انگیز مثالیں

جن مسلمانوں نے صحیح قسم کی تعلیم کے ذریعہ سے خدا اور اسلام کی محبت کی خاطر خواہ نشوونما کرنے کے بغیر اپنے ملکوں میں سوشلزم کا نفاذ کیا تھا اُن کے حالات ہمارے سامنے ہیں۔ وہاں صحیح قسم کی تعلیم کے نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کی صداقت اور ضرورت پر یقین پہلے ہی مضمحل ہو چکا تھا طبیعتیں اسلامی ضابطۂ اخلاق کی نفس شکن پابندیوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ تھیں اور اسلام پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے حرص وہوا کے محرکات زوروں پر تھے اور معاشرتی ناہمواریاں اور بے انصافیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ لہٰذا ایک نظریاتی خلا محسوس کیا جا رہا تھا جس کو پُر کرنے کے لیے اسلام کی طرف واپس آنے کی بجائے سوشلسٹ نظام نافذ کیا گیا اور پھر سارا زور سوشلزم کے طور طریقوں کے مطابق جسم کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے صرف کیا جانے لگا اور اسلام کا نام فقط برائے نام زبانوں پر رہ گیا۔ کیونکہ اسلام کو نہ جاننے اور نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ فرض کر لیا گیا کہ سوشلزم نے وہی کر دیا ہے جو اسلام چاہتا تھا۔ لہٰذا اب عملی طور پر اسلام اور کس کام آئے گا ؟

مقصودِ حیات کا ذریعہ یا مقصودِ حیات

بعض سوشلزم پسند مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ہم روس اور چین کا سوشلزم نہیں بلکہ حضرت ابوذر غفاریؓ کا سوشلزم نافذ کرنا چاہتے ہیں لیکن کیا انہوں نے پہلے اپنے آپ میں اور اپنی قوم میں خدا اور رسول اور آخرت کے محاسبۂ اعمال پر حضرت ابوذر غفاریؓ کا سا ایمان پیدا کر لیا ہے۔ در اصل اکثر سوشلزم پسند مسلمان جسمانی ضروریات کی تکمیل اور تشفی کا اہتمام بزور اور بجبر تکمیل خودی کے ایک ذریعہ کے طور پر نہیں بلکہ ایک مقصودِ حیات کے طور پر کرنا چاہتے ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ سارا اسلام اسی میں آجائے گا اور اسلام کا مقصد بھی جسم کی ضروریات کی عادلانہ تکمیل اور تشفی کے سوائے اور کچھ نہیں۔ اگر یہ بات نہ ہو تو وہ سب سے پہلے اسلامی تعلیم پر زور دیں تاکہ لوگوں کو پہلے ان کے اصلی مقصودِ حیات سے آگاہ کریں جس کی خاطر وہ اُن کے جسم کی ضرورت کی تشفی اور تسکین چاہتے ہیں۔ لیکن جسمانی ضروریات کی تکمیل کو خودی کی تکمیل کے ایک ذریعہ کے طور پر عوام کے نزدیک جو خوبی یا اہمیت حاصل ہے اس کے بل بوتے پر یہ لوگ اُسے مقصودِ حیات کے ایک ذریعہ کا نہیں بلکہ خود مقصودِ حیات کا مقام دینا چاہتے ہیں۔

معاشرتی ناہمواریوں کا واحد علاج

جب یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام کے وہ احکام بھی جو بظاہر معاشی اور اقتصادی نوعیت کے نظر آتے ہیں، براہِ راست اور اپنے اوّلین مقصد کے اعتبار سے جس چیز کی پرورش کا اہتمام کرتے ہیں وہ انسان کا جسم نہیں بلکہ اُس کی خودی ہے، تو سوال کیا جاتا ہے کہ کیا پھر اسلام کے پاس افلاس اور معاشی ناہمواریوں کا کوئی حل نہیں، حالانکہ اگر خودی کی پرورش کے اسلامی احکام پر عمل کیا جائے تو نہ افلاس پیدا ہو سکتا ہے اور نہ معاشی ناہمواریاں وجود میں آسکتی ہیں، نہ جاگیرداری باقی رہ سکتی ہے اور نہ دولت ہی خود بخود مساوی طور پر تقسیم ہونے سے رہ سکتی ہے۔ افسوس ہے کہ دورِ حاضر کا انسان اس بات کو پے در پے نظر انداز کرتا رہتا ہے کہ معاشرہ کی تمام خرابیاں جو ہمیں باہر نظر آتی ہیں انسانی فرد کی اندرونی خرابیوں سے پیدا ہوتی ہیں، بلکہ اُن کا فقط ایک عکس ہیں۔ اپنی کوتاہ نظری سے وہ ان کا علاج باہر سے کرتا ہے اور قانون کے زیادہ تر بے اثر اور بیکار خارجی طریقوں کو کام میں لاتا ہے، حالانکہ اگر فرد کو ایسی تعلیم

دی جائے جو اس کی خودی کے تقاضوں کے مطابق ہو اور لہٰذا درست ہو تو معاشرہ کی کوئی خرابی پیدا نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی ایسی خرابی پیدا ہو چکی ہو تو رفع ہو جاتی ہے۔

حقیقت نہ صرف یہ ہے کہ اسلام کے پاس افلاس اور معاشی ناہمواریوں کا حل موجود ہے بلکہ اسلام کے سوائے اور کسی نظریۂ حیات کے پاس، خواہ وہ سوشلزم ہی کیوں نہ ہو، ان کا کوئی فطری، کامیاب اور پائیدار حل موجود نہیں۔ پہلے تو اسلام انسان کے دل میں خدا کی محبت کا سوز و گداز، غیر اللہ سے بے نیازی اور بیزاری جسم کی زندگی کی ناپائیداری اور بے اعتباری کا احساس اور محاسبۂ اعمال کا یقین اور خوف پیدا کرتا ہے، اور اس طرح سے انسان کو خدا کے احکام کی عاشقانہ اور عاجزانہ تعمیل کے لیے مہیا کرتا ہے۔ پھر اُسے کہتا ہے کہ محنت سے کام کرو۔ جو شخص محنت سے کام کرتا ہے وہ اپنے لیے اور دوسروں کے لیے خدا کی ربوبیت اور رزاقیت کا سامان پیدا کرتا ہے اور اس طرح سے خدا کی ربوبیت اور رزاقیت میں شریکِ کار ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ تخلق باخلاق اللہ کی وجہ سے خدا کا محبوب بن جاتا ہے (اَلکَاسِبُ حَبِیبُ اللّٰہِ) ظاہر بات ہے کہ جو شخص محنت سے کام کرے گا وہ بہت کمائے گا اور اُس کے پاس خرچ کرنے کے لیے مال بہت ہو گا۔ لیکن اسلام دوسری بات اُسے یہ کہتا ہے کہ اگر تمہارے پاس مال ضرورت سے زیادہ ہو تو پھر بھی اُسے ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کرو، اور نہ اسراف کرو اور نہ تبذیر۔ پھر ظاہر ہے کہ اگر وہ کفایت اور ضرورت کے مطابق خرچ کرے گا تو مال اُس کے پاس بچ رہے گا اور جمع ہوتا رہے گا لیکن اسلام تیسری بات اُسے یہ کہتا ہے کہ اپنے پاس فالتو مال جمع نہ کرو اور اگر جمع ہو جائے تو اُسے خدا کی راہ میں خرچ کر دو۔ پھر جو لوگ مال جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اسلام اُن کو دردناک عذاب سے ڈراتا ہے کہ اُن کے جمع کیے ہوئے سکوں کو جہنم کی آگ میں تپا کر اُن کے جسموں کو داغا جائے گا کہ اب اس جمع کیے ہوئے مال کا مزہ چکھو۔ اگر کوئی مسلمان پہلے سے ہی جاگیر دار یا صاحبِ جائیداد بنا ہوا ہو تو اس کے لیے حکم ہے کہ اپنی جاگیر یا جائیداد کو قانونِ وراثت کے مطابق ٹکڑوں میں بانٹ کر اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دے۔

جمالیاتی ضرورتیں اسلام میں حرام نہیں ہیں لیکن ان کی باری اُس وقت آتی ہے جب تمام لوگوں کی حیاتیاتی ضرورتیں پوری ہو رہی ہوں اور پھر ان میں بھی دوسرے بھائیوں کو برابر کا شریک کرنا ضروری ہے۔ نعمت کی فراوانی خدا کا ایک انعام ہے جو خدا کی اطاعت اور پرہیزگاری کے عوض میں ملتا ہے۔ لیکن اس فراوانی میں ہمیں اپنے سب بھائیوں کو شریک کرنا چاہیے۔ اگر کسی مسلمان کو اُس کی جمالیاتی حس

کھانے پہننے اور رہنے کی نفاستوں پر زیادہ خرچ کرنے پر مجبور کرتی ہو تو اسلام اُسے تنبیہہ کرتا ہے کہ تم اُس وقت تک مومن شمار نہیں کیے جاؤ گے جب تک کہ تم اپنے ہر مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ پھر تم دیکھ لو کہ آیا زائد خرچ کر کے جو چیز تم اپنے لیے حاصل کرتے ہو اس میں دوسروں کو شریک کر سکتے ہو؟ (لا یؤمن احدکم حتّٰی یحبّ لاخیہ ما یحبّ لنفسہ۔ الحدیث) اب بتائیے کہ جس قوم کے افراد محنت سے کام کرنے کے باوجود ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے سے نفرت کرتے ہوں اور اپنے بچے ہوئے فالتو مال سے بیزار ہوں اور اُسے جلد از جلد ضرورت مندوں کو دے دینے کے بغیر چین محسوس نہ کرتے ہوں' اپنی سابقہ جائیدادوں اور جاگیروں کو پے در پے تقسیم کرتے چلے جاتے ہوں' اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں قوم کے دوسرے افراد کو برابر کا شریک کرنے کے بغیر اپنے ایمان میں خلل سمجھتے ہوں' اُس قوم میں افلاس کیسے پیدا ہو سکتا ہے اور معاشی ناہمواریاں کیسے وجود میں آ سکتی ہیں؟ اس مضمون کی مزید وضاحت کے لیے قارئین میری کتاب "قرآن اور علم جدید" کا مطالعہ فرمائیں۔

"اسلامی سوشلزم" کیا ہے

ایسے حالات میں ضروری ہے کہ فالتو دولت پیدا ہوتے ہی خود بخود پوری قوم میں مساوی طور پر تقسیم ہو جائے اور اگر دولت کی مساوی تقسیم ہی سوشلزم کا مقصد ہے تو پھر یہ ہے وہ سوشلزم جسے اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ ہے وہ سوشلزم جس پر "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح صادق آ سکتی ہے یہی وہ اسلامی سوشلزم ہے جس کا ذکر اقبال نے اپنے خطوں میں کیا ہے اور جس کا حوالہ دے کر ہم ایک اور ہی قسم کا سوشلزم لانا چاہتے ہیں جس کے خطرناک نظریاتی نتائج بعض ملکوں میں آزمائے جا چکے ہیں۔ اسلامی سوشلزم کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے خدا کی شدید محبت سے پیدا ہوتا ہے' جبر یا خارجی قانون سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا منبع انسان کا دل ہے جسے جبر یا قانون سے بدلا نہیں جا سکتا بلکہ فقط تعلیم سے بدلا جا سکتا ہے۔ اقبال کا سوشلزم اقبال کے پورے نظام کے ساتھ ہی لایا جا سکتا ہے' اُس سے الگ کر کے لایا نہیں جا سکتا۔ ہم اقبال کے شیدائی جو اقبال کا سوشلزم لانا چاہتے ہیں اُس کے ساتھ اقبال کا نظامِ تعلیم' جو خودی کی پرورش کرتا ہے' کیوں لانا نہیں چاہتے؟ آخر اس میں حکمت کیا ہے؟ ہم کو فرد کے جسم کی فکر ہے'

لیکن فرد کی خودی کی فکر کیوں نہیں جو اقبال کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ ہے اور جس کی پرورش کی اہمیت واضح کرنے کے لیے اقبال نے اپنی ساری عمر صرف کی ہے ؟

اسلامی نظامِ تعلیم کی ضرورت

خودی کی پرورش کے لیے ایک ایسے نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے جس کا امتیاز یہ ہو کہ اس میں خدا کا تصور سائنسی علوم کا مدار و مرکز ہو اور وہ اقبال کے الفاظ میں "عشق کی تیغ جگر دار" کو "علم کے ہاتھ کی خالی نیام" میں واپس لائے۔ اقبال کا سوشلزم، حضرت ابوذر کا سوشلزم یا اسلام کا سوشلزم اب اسلامی تعلیم کی راہ سے ہی آسکتا ہے۔ اگر ہم وہ سوشلزم لانا چاہتے ہیں جو اقبال کے الفاظ میں "حرفِ قُلِ الْعَفْوَ میں پوشیدہ ہے" تو ہمیں ایک لمحہ کے لیے اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جو شخص اپنا سارا فالتو مال خدا کی راہ میں دے دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور اپنے کل کی فکر نہیں کرتا، خدا کی رزاقیت اور ربوبیت پر اس کے ایمان کی کیفیت کیا ہوتی ہے، خدا کے بالمقابل اُسے اپنی جان سے یا دنیا سے کتنی محبت ہوتی ہے، آخرت کی زندگی اور خدا کی بازپرس اُسے کس قسم کی حقیقت نظر آتی ہے، افلاس کے خوف سے اُس کی آزادی اور بے پرواہی کا رنگ کیا ہوتا ہے، خدا پر اس کے توکل کا مقام کیا ہوتا ہے، اور خدا کی اس گارنٹی پر کہ اس نے ہر جاندار کا رزق اپنے ذمہ لے لیا ہے اس کا یقین کس قسم کا ہوتا ہے ؟ کیا ہم میں سے ایک بھی ایسا ہے جو اس قسم کے ایمان اور توکل کا دعویٰ کر سکے ؟ ایک طرف سے ہم بنکوں میں پڑے ہوئے ذہب اور فضہ کے بڑے بڑے ڈھیروں کی حفاظت جان سے زیادہ کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک ذرہ بھی ہل نہ جائے اور دوسری طرف سے اسلامی سوشلزم اور حضرت ابوذرؓ کے سوشلزم کی تمنا کرتے ہیں۔ اور جب پوچھا جائے تو ہمارا جواب بالعموم یہ ہوتا ہے کہ جس وقت سب لوگ اپنے اپنے اندوختوں کو ترک کریں گے ہم بھی اپنا اندوختہ ترک کر دیں گے۔ کیا حضرت ابوذر غفاریؓ کا جواب یہی ہو سکتا تھا، جن کو اپنی موت کے وقت اس بات کا افسوس تھا کہ اُن کے گھر میں ایک لکڑی کا پیالہ کیوں موجود ہے اور وہ اپنے خدا کے پاس ایسی حالت میں کیوں نہیں جا رہے کہ اُن کے پاس کچھ بھی موجود نہ ہوتا۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ اقبال اور حضرت ابوذر کا سوشلزم نافذ کرنے سے پہلے ہمیں اسلامی تعلیم کی ضرورت ہے جو ہمارے دلوں میں خدا اور رسولؐ اور آخرت پر ابوذر کا ایمان پیدا کر سکے۔

اور یہ کہ اس وقت ہمارا دعویٰ کہ ہم اسلامی سوشلزم لانا چاہتے ہیں اور ایک سطحی قسم کا خارجی قانونی سوشلزم نافذ کر کے بعض سوشلسٹ ملکوں کی بھونڈی نقل نہیں چاہتے' سراسر خود فریبی نہ ہے۔

"اسلامی سوشلزم" سے اقبال کی مراد اسلام ہے

جس اسلامی سوشلزم کی طرف اقبال نے اپنے خطوں میں اشارہ کیا تھا' اس بحث کے بعد اس کے تین واضح امتیازات ہمارے سامنے آتے ہیں:

(۱) "اسلامی سوشلزم" بنیادی طور پر خدا کی شدید محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا منبع انسان کا دل ہے جو قانون سے بدلا نہیں جا سکتا بلکہ فقط تعلیم سے بدلا جا سکتا ہے۔ البتہ اگر وہ محبت پہلے موجود ہو تو قانون اس کی مدد کر سکتا ہے۔

(۲) "اسلامی سوشلزم" بذاتِ خود اسلامی معاشرہ کا مقصود اور مطلوب نہیں ہوتا بلکہ وہ خودی کے مقصود اور مطلوب یعنی خدا کی محبت کی تشفی اور تسکین کا ذریعہ اور اس کا ضمنی نتیجہ ہوتا ہے۔

(۳) "اسلامی سوشلزم" پورے زور سے اس وقت آتا ہے جب پورا اسلام نظامِ تعلیم پر ہی نہیں بلکہ قوم کی زندگی کے ہر شعبہ پر حکمران ہو چکا ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی سوشلزم سے اقبال کی مراد اسلام ہی ہے اور اپنے ایک نجی خط کے سیاق و سباق میں اس مرکبِ توصیفی کو کام میں لانے سے اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ اسلامی نظام کے ایک خاص پہلو کو' جو اس زمانہ میں بعض لوگوں کے لیے کشش رکھتا ہے' زمانۂ حال کی زبان سے استفادہ کر کے سمجھایا جائے تاکہ بآسانی اس کے مخاطب کی سمجھ میں آ جائے۔ اقبال کی ساری نظم و نثر کی تصنیفات اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ اقبال جس نظام کو برپا دیکھنا چاہتا ہے اور جس کے دنیا پر چھا جانے کی وہ پیش گوئی کرتا ہے وہ اسلام ہی ہے اور اس کے لیے وہ "اسلام" ہی کی قرآنی اصطلاح کو پسند کرتا ہے۔ جب خدا کہتا ہے کہ وہ اسلام کے بغیر ہرگز کسی اور دین کو قبول نہیں کرے گا تو ظاہر ہے کہ وہ اِس دین کے لیے اسلام کے سوائے کوئی اور نام بھی ہرگز قبول نہیں کرے گا (وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ - آل عمران: ۸۵) بلکہ یہ کہہ کر اس نے نام کی اہمیت پر خاص زور دیا ہے کہ یہ نام جو ہم نے تمہارے دین کے لیے پسند کیا ہے تمہارے روحانی باپ حضرت ابراہیم نے

تجویز کیا تھا (مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِينَ - الحج: ۷۸) یہ بات ظاہر ہے کہ اگر اسلام کی بجائے ہمارا اسم کوئی اور ہوگا تو ہمارا مُسمّٰی بھی کوئی اور ہوگا اور وہ اسلام نہیں ہوگا۔

ظاہر ہے کہ خدا سے بلند تر نصب العین ممکن نہیں۔ چونکہ اسلام خدا کے تصور کو انسان کی عملی زندگی کے تمام ضروری شعبوں پر چسپاں کرتا ہے اسلام سے بلند تر نظریہ حیات بھی ممکن نہیں پھر جوں جوں نظریات خدا کے نصب العین سے دور ہوتے جاتے ہیں وہ پست تر ہوتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ نظریہ حیات جو خدا کے انکار پر قائم ہوگا پست ترین مقام کا نظریہ حیات شمار ہوگا۔ ایسا نظریہ حیات سوشلزم ہے۔ اسلامی سوشلزم کی اصطلاح میں ہم دنیا کے بلند ترین نظریہ حیات کو دنیا کے پست ترین نظریہ حیات کے ساتھ جوڑ کر اوّل الذکر کو اس کی عظمت کے بلند مقام سے نیچے لاتے ہیں۔ جس طرح سے اسلامی عیسائیت یا اسلامی یہودیت یا اسلامی دہریت کی اصطلاح بے معنی اور مضحکہ خیز ہے اسی طرح سے اسلامی سوشلزم کی اصطلاح بے معنی اور مضحکہ خیز ہے۔ اس اصطلاح پر اصرار کرنے والے اس بات کا جواب نہیں دے سکتے کہ اسلام اور اسلامی سوشلزم میں کیا فرق ہے؟ اگر اسلامی سوشلزم سے مراد اسلام ہی ہے تو پھر اس مقدس نام کے ساتھ سوشلزم ایسی ایک کافرانہ اصطلاح جوڑنے کی ضرورت کیا ہے، اور اگر اس سے مراد سوشلزم ہی ہے تو پھر اس کافرانہ اصطلاح کے ساتھ اسلام کا مقدس نام جوڑنے کی ضرورت کیا ہے؟ اگر وہ اسلام اور سوشلزم کا ایک نیا مرکب ہے تو یہ مردود ہے، کیونکہ اس کی سند نہ دین سے ملتی ہے نہ دنیا سے۔

(جاری ہے)

ڈاکٹر اسرار احمد کا نہایت اہم خطاب
جہاد بالقرآن
کتابی صورت میں
دستیاب ہے
صفحات: ۵۶ سفید کاغذ، عمدہ طباعت، قیمت فی نسخہ - ۱۲ روپے